الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ (۱)

مکہ کا قارون

'اَرَءَیۡتَ' کے اسلوبِ خطاب پر اس کے محل میں گفتگو ہو چکی ہے۔ یہ اسلوب کسی کی طرف تعجب اور نفرت کے ساتھ متوجہ کرنے کے لیے آتا ہے۔ لفظ 'دِین' یہاں جزا و سزا کے معنی میں ہے جس طرح 'مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ' (الفاتحۃ) میں ہے۔

'الَّذِیۡ' سے کون مراد ہے؟ اس کی وضاحت یہاں نہیں ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اشارہ ابولہب کی طرف ہے۔ یہ ایک نہایت مال دار بخیل تھا جو حرم کے بیت المال (رفادہ) پر سورہ کے زمانۂ نزول میں، قابض تھا۔ آگے اس کے ذلیل کردار اور اس کی تباہی کا ذکر ایک مستقل سورہ ــــــ اللھب ــــــ میں آ رہا ہے۔ اس سورہ کی تفسیر سے واضح ہو جائے گا کہ اس نے رفادہ کو اپنی ذاتی جائداد بنا لیا تھا۔ اس کی آمدنی اپنے ذاتی مقاصد میں اس نے استعمال کی اور اس کی بدولت مکہ کا قارون بن گیا۔

یہاں اصل مقصودِ کلام تو اس کی شقاوت کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جو شخص اتنا قسی القلب ہے کہ وہ یتیموں کو دھکے دیتا ہے اس سے کسی خیر کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ بیت اللہ کے کسی شعبہ کا ذمہ دار بن سکے لیکن بات ایسے اسلوب میں فرمائی ہے جس سے اس کا وہ باطن بھی سامنے آ گیا ہے جو اس کی اس قساوت کا اصل سبب ہے۔

آخرت کا منکر بے غرض انفاق نہیں کر سکتا

'یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ' کی صفت اس کے باطن پر عکس ڈال رہی ہے کہ وہ آخرت اور جزا و سزا کا جھٹلانے والا ہے۔ جو شخص آخرت کا منکر ہو گا اس کے اندر اس انفاق کا کوئی محرک سرے سے باقی رہ ہی نہیں جاتا جو خدا کی خوشنودی اور خالصتہً خدمتِ خلق اور ہمدردئ غرباء کے لیے ہو۔ ایسا شخص اگر کچھ خرچ کرتا ہے تو اپنی کسی ذاتی غرض یا ریا و نمائش کے لیے کرتا ہے۔ بے غرض فیاضی صرف اسی شخص کے اندر پیدا ہوتی ہے جو آخرت کی جزا و سزا پر صدقِ دل سے ایمان رکھتا ہے۔ سورۂ لیل میں اس حقیقت پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے:

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۙ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ۙ وَکَذَّبَ	پس جس نے دیا اور ڈرا اور اچھے انجام کی اس نے تصدیق کی تو ہم اس کے لیے آسان راہ ہموار کریں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروا ہوا

بِالْحُسْنٰیۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰیؕ (الیل - ۹۲ : ۵ - ۱۰)
اور اس نے اچھے انجام کی تکذیب کی تو ہم اس کو دشوار راہ پر ڈالیں گے۔

فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ (۲)

اسلامی معاشرہ میں یتیم کا مرتبہ

فرمایا کہ یہی شخص ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے۔ 'دَعٌّ' کے معنی دھکے دینے کے ہیں۔ فرمایا ہے: 'یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا' (الطور-۵۲: ۱۳) (جس دن وہ دھکے دے دے کر جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے)۔ یتیموں کے ساتھ صحیح رویہ جس کی تعلیم دی گئی ہے 'اکرام' کا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ' (الفجر-۸۹: ۱۷) (ہرگز نہیں، بلکہ تم لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے)۔ اسلامی معاشرہ میں، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، ضعیف اس وقت تک سب سے زیادہ قوی اور با اثر ہے جب تک اس کا حق اس کو مل نہ جائے۔ اس چیز کا تقاضا یہ ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد ان لوگوں کی دل سے عزت کرے جن کے حقوق ابھی ملنے ہیں۔ ان کے حقوق کی حمایت کرنا، ان کو ادا کرنے کی تلقین کرنا اور ان کو حاصل کرنے کے لیے سینہ سپر ہونا ہر باحمیت مسلمان کا فرض ہے۔

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ (۳)

یہ وہی بات منفی پہلو سے فرمائی ہے کہ بھلا جو شخص یتیموں کو دھکے دے گا وہ مسکینوں کی پرورش اور ان کی خدمت و اعانت پر لوگوں کو کیا ابھارے گا! اس حقیقت کی طرف جگہ جگہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ جو لوگ بخیل ہوتے ہیں وہ اپنی بخیلی پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے یہ بھی چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی بخیل بنے رہیں تاکہ کوئی شخص ان کو بخیل کہنے والا نہ رہے۔ ان کی خواہش کے خلاف اگر کوئی کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ، جیسا کہ سورۂ ھمزہ کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں، اس کو اپنے ہمز و لمز اور طعن و تشنیع کا ہدف بنا لیتے ہیں تاکہ شروع ہی میں اس کا حوصلہ پست کر دیں اور وہ اس راہ میں آگے نہ بڑھے۔

یہ امر واضح رہے کہ یہ اس شخص کا کردار بیان ہو رہا ہے جو اس زمانے میں بیت اللہ کے خاص اس شعبہ پر مسلط تھا جس کا تعلق غربا و یتامیٰ کی خدمت سے تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ جب چور ہی کوتوال بنا بیٹھا ہے تو اس کا جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہ معلوم ہے۔

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۴ - ۵)

بیت اللہ کے پروہتوں کی نمازیں

یہ بیت اللہ کے ان پروہتوں کی نمازوں کی بے حقیقتی کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ یہ بیت اللہ کے متولی ہونے کے تعلق سے اپنے عوام کو دکھانے کے لیے نماز کی رسم بھی ادا کرتے ہیں لیکن ان کی نماز محض دکھاوے کی ہوتی ہے اس وجہ سے روح سے بالکل خالی، نری ریاکاری ہوتی ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ بیت اللہ کا اصل مقصدِ تعمیر نماز کا قیام تھا اور اس کے جوار میں حضرت اسمٰعیلؑ

کو حضرت ابراہیمؑ نے خاص اسی مقصد سے بسایا تھا کہ وہ اور ان کی ذریت نماز کا اہتمام رکھیں۔ اسی کی خاطر انھوں نے ان کے لیے امن اور رزق کی دعا بھی فرمائی تھی۔ سورۂ ابراہیم میں یہ دعا یوں مذکور ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ	اے ہمارے رب، میں نے اپنی ذریت میں سے
بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ	بعض کو ایک بن کھیتی کی وادی میں تیرے محترم
الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ	گھر کے پاس بسایا ہے، اے ہمارے رب،
(ابراہیم - ۱۴ : ۳۷)	تاکہ یہ نماز کا اہتمام کریں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے نماز کے قیام و اہتمام کا فریضہ جس طرح ادا فرمایا اس کی شہادت قرآن میں موجود ہے کہ وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ (مریم - ۱۹ : ۵۵) (اور وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا) اگرچہ بعد کے ادوار میں مبتدعین اور خائنوں کے تسلط کے سبب سے نماز اور زکوٰۃ دونوں کا حلیہ بالکل بگڑ گیا۔ زکوٰۃ کا جو حشر ہوا اس کی تفصیل اوپر گزری۔ نماز کا جو حال ہوا اس کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ سورۂ انفال کی آیت ۳۵ میں موجود ہے: وَمَا کَانَ صَلَاتُھُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَآءً وَّتَصْدِیَۃً (الانفال - ۸ : ۳۵) (بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹی اور تالی بجانا رہ گئی ہے) تاہم اپنی بگڑی ہوئی صورت میں سہی یہ چیزیں باقی رہیں اور جس طرح ہر دور کے لیڈر اپنے عوام کو بے وقوف بنائے رکھنے کے لیے مذہبی رسوم کی نمائش کرتے رہتے ہیں اسی طرح قریش کے لیڈر بھی خاص خاص مواقع پر ان رسوم کی نمائش کرتے رہتے تھے۔ ان کی اسی نماز پر فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے لیے تباہی ہے جو اپنی نمازوں کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

اَلَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُوْنَ ۙ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۶-۷)

نمازوں کی بے حقیقتی کی وضاحت

یہ ان کی نمازوں کی بے حقیقتی کی وضاحت ہے کہ یہ محض دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی نہایت بخیل ہیں۔ یہاں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کی نمازوں کے بے روح و بے جان ہونے پر دو چیزوں سے دلیل قائم کی ہے۔ ایک ان کی ریاکاری سے، دوسرے ان کی خست سے۔

نماز کی اصل حقیقت اخلاص ہے۔ یعنی وہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی خوشنودی اور رضا طلبی کے لیے پڑھی جائے۔ اس کے سوا اگر کوئی اور غرض اس میں شامل ہو جائے تو نماز بالکل باطل اور اپنے اصل مقصد کے اعتبار سے نہ صرف بے نتیجہ بلکہ نہایت مہلک ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی نمازیں اول تو ان کے فسادِ عقیدہ کے سبب سے اخلاص سے محروم تھیں ثانیاً وہ پڑھتے بھی، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، محض دکھاوے ہی کے لیے تھے تاکہ ان کے عوام ان کو مذہبی سمجھیں۔ اس طرح کی نماز ظاہر ہے کہ محض

ایکٹنگ ہوتی ہے جس کا زندگی کے حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا۔ جس طرح کسی ڈرامے میں مجنوں کا پارٹ ادا کر دینے سے کوئی مجنوں نہیں بن جاتا اسی طرح اس قسم کے لوگ مسجد میں آجانے اور رکوع سجود اور قیام و قعود کی نمائش کر دینے سے نمازی نہیں بن جاتے۔

علاوہ ازیں ان لوگوں کی خست بھی اس بات کی دلیل تھی کہ ان کی نمازیں بالکل بے روح و بے جان ہیں۔ نماز کی اصل روح اپنے رب کی شکرگزاری ہے۔ جو بندہ اپنے رب کا شکرگزار ہوتا ہے وہ خسیس و لئیم نہیں ہوتا بلکہ فیاض و کریم ہوتا ہے۔ وہ اپنے رب کی نعمتوں میں دوسروں کو شریک کرتا اور اس کو ان کا حق سمجھتا ہے۔ اس کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ جب میرے رب نے مجھے بخشا ہے تو اس کی شکرگزاری کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس میں ان لوگوں کو شریک کروں جو اس سے محروم ہیں اور یہ جذبہ اس پر اس قدر غالب ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ اپنی ضرورت کو نظرانداز کر کے دوسروں کی مدد کرنے میں لذت و حلاوت محسوس کرتا ہے۔ نماز اور انفاق کے باہمی تعلق پر اس کتاب میں جگہ جگہ بحث ہو چکی ہے۔ فلسفۂ دین کے اعتبار سے جذبۂ شکر کی تحریک سے سب سے پہلے نماز وجود میں آتی ہے اور پھر نماز انفاق کے لیے محرک بنتی ہے اور پھر انہی دو چیزوں پر شریعت کا پورا نظام قائم ہے۔

ماعون کا مفہوم

'وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ' لفظ 'مَاعُوْنٌ' روزمرہ استعمال کی ان چیزوں کے لیے آتا ہے جن کے عاریت لین دین میں کوئی قباحت خیال نہیں کی جاتی بلکہ ہر پڑوسی اپنے پڑوسی سے ان کو بعض اوقات مانگنے پر مجبور ہوتا ہے اور ان کا مانگنا اور دینا دونوں اچھے معاشرہ میں حسنِ معاشرت کی علامت خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی پڑوسی کو آپ سے کسی ضرورت سے ایک چارپائی یا بستر، یا کوئی برتن یا چھری یا دیا سلائی یا اسی طرح کی کوئی اور چیز مانگنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو ہر شریف پڑوسی اس کی ضرورت نہایت خوش دلی سے پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ صرف وہی لوگ اس طرح کے موقع پر تنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو نہایت لئیم ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لئیم اگر نماز پڑھتے ہیں تو ان کی نماز محض نمائش ہوتی ہے۔ اس نماز کے لیے نہ کوئی محرک ان کے دل کے اندر ہوتا اور نہ یہ نماز کسی پہلو سے ان کے دل پر اثرانداز ہوتی۔ بلکہ نمائش ہونے کے سبب سے یہ ان کی قساوت میں مزید اضافہ کرتی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگوں نے اسی 'فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ..... الاية' والے ٹکڑے کی بنا پر اس سورہ کو مدنی قرار دیا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اس قسم کی ریاکارانہ نماز پڑھنے والے تو مدنی دور میں پیدا ہوئے ہیں مکی دور میں اس قسم کے لوگ کہاں تھے؟ اس غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ اس سے انھوں نے وہ نماز مراد لی ہے جس کا حکم اسلام نے دیا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد، جیسا کہ ہم نے وضاحت کی،

وہ نماز ہے جس کے قیام کا حکم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی ذریت کو بیت اللہ کی تعمیر کے ساتھ ہی دیا گیا تھا اور جس کی روایت بعد کے ادوار میں بھی باقی رہی اگرچہ اس کا حلیہ بدعات کے غلبہ کے سبب سے بہت بگڑ گیا تھا۔

ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فالحمد للہ حمداً کثیرا۔

لاہور
۲۶۔ مئی سنہ ۱۹۸۰ء
۱۱۔ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ